ڈاکٹر شبیر احمد قادری
شعبہ اردو، جی سی یونی ورسٹی، فیصل آباد

اردو تذکروں میں لسانی بحثیں

Dr. Shahbeer ahmad qadri

Urdu Department,G C University , Faisalabad

Urdu Tazkron mein Lissani Behasein

"Urdu biographical memoirs (Tazkaray) have examined the various subjects and genres of Urdu literature in a comprehensive manner. Even the historians of Urdu language and literature have based their writings and accounts on these Tazkaray. A lot of material is available in these biographical memoirs on the different phases of the fons et origo of Urdu language. The nature and essence of the origin of Urdu language has alwasys been a contended issue among the linguists. The debate regarding the origin of Urdu in the Punjab, Deccan, Sindh and Delhi may be cited as an illustration of this controversy. In this article the author explores the views of different Tazkara writers on the question of origin and the evolution of the Urdu language."

اُردو تذکرے اپنے متنوع موضوعات اور اسالیب کی بدولت بے حد اہمیت رکھتے ہیں۔ اُردو زبان و ادب، تنقید و تحقیق اور تخلیقی رنگا رنگی کے بیشتر ذائقے، قاری کی توجہ، بہر حال، اپنی جانب مبذول و منعطف کرانے میں کامیاب ہیں۔ تذکروں کو میں ایسے درخت خیال کرتا ہوں جن میں علوم و فنون کی اَن گنت شاخیں اپنی بہار دکھا رہی ہیں۔ متعدد شاعر اور ادیب ایسے بھی ہیں جن کے تعارف کا اوّل و آخر حوالہ یہ تذکرے ہی ہیں یعنی اُن کے فکر و خیال کا اندوختہ تذکروں ہی میں محفوظ ہے۔

اُردو تذکروں میں لسانی مباحث کی موجودگی سے تذکروں کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے۔ اُردو قواعد اور عروض و بحور کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ زبان کے ارتقائی مراحل خلا میں طے نہیں ہوتے اِس مقصد کے لیے اُسے زرخیز زمین اور ساز گار ماحول کی ضرورت ہوتی ہے، زبان کو یہ زمین اور ماحول شاعری فراہم کرتی ہے۔ اس تناظر میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ جوں جوں اُردو شاعری آسان اور کٹھن راہوں سے گزرتی ہوئی اپنا سفر طے کرتی ہے، زبان کے چراغ کی لَو بھی اس کے ساتھ تیز تر ہوتی رہتی ہے۔ یہ بات نظر انداز کرنے کے لائق نہیں ہے کہ

اُردو شعرا کے ابتدائی تذکرے (جن کی تعداد تقریباً ۶۷ ہے) بعض فارسی اور بعض اُردو زبان میں لکھے گئے اور جب اُردو زبان کے اپنے اُلجھے ہوئے گیسوؤں کی آرائش شروع کر دی تو تذکرہ نگار، میرے خیال میں مجبور ہو گئے کہ اُن کے ذریعہ اظہار اب فارسی کے بجائے اُردو ہوگا۔ دکنی شاعری کے حوالے سے قائم چاند پوری کا یہ ایک شعر ہے:

قائم میں غزل طور کیا ریختہ ورنہ
اِک بات لچر سی بہ زبان دکھنی تھی (۱)

یہ شعر درج کرنے کے بعد ڈاکٹر اقتدا حسن رقم طراز ہیں کہ وہ اس لسانی نکتے سے بھی واقف ہیں کہ وہ زبان ایک زندہ اور متحرک شے ہے اس میں جتنی لچک ہوگی اتنا ہی اس کا دائرۂ عمل وسیع ہوگا اور ادبی سرمائے کو جانچنے کے لیے مقامی لسانی خصوصیات کو بھی پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔ ''ہر چند اکثر الفاظ غیر مانوس گوش ہائی مردم مستعمل ایشان است لیکن چون موافق زبان زبان دکھن راست و درست است پیش ہمہ کس راہ بہ دل دارد'' (۲) قائم چاند پوری نے عبداللہ قطب شاہ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ بلد دِ دکن در عہد عبداللہ قطب شاہ کہ باسخن واہل آں محبت دِلی دلشت ریختہ گفتن بہ زبان دکھنی بسیار رواج گرفت (۳) مولوی عبدالحق کا کہنا ہے کہ مصحفی کا زمانہ معمولی نہیں تھا۔ یہ اُردو زبان کی ترقی وفروغ کا نہایت ممتاز دَور تھا۔ اگر چہ فارسی کا رواج عام تھا۔ مکتبوں اور مدرسوں میں فارسی کی تعلیم برابر جاری تھی، فارسی پڑھنا علم وفضل ہی کے لیے نہیں بلکہ تہذیب وشائستگی کے لیے لازم خیال کیا جاتا تھا۔ لوگ فارسی شعر وسخن کے ایسی (ایسے؟) ہی دلدادہ تھے جیسے اکبر و جہانگیر کے زمانے میں۔ اس کا ایک ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ یہی تذکرے، جو اُردو شعرا کے ہیں فارسی میں لکھے گئے۔ اس سے پہلے اور بعد بھی بہت سے تذکرے جو اُردو شاعروں کے لکھے گئے فارسی میں ہیں، لیکن اُردو زبان رفتہ رفتہ زور پکڑتی جاتی تھی اور مصحفی کے زمانے میں تو اس نے یہ قوت حاصل کر لی تھی کہ ہمارے مستند شاعر فارسی چھوڑ کر اُردو کی طرف مائل ہو رہے تھے۔ خود مصحفی جو فارسی میں بھی شعر کہتے تھے اور ریختہ میں بھی اپنے حال میں لکھتے ہیں۔ ''بمقتضائے رواجِ زمانہ آخر کار خود را معروف بہ ریختہ گوئی داشتہ برائے اس کہ رواجِ شعرِ فارسی در ہندوستان بہ نسبت ریختہ کم است و ریختہ بہم فی مانا بہ پایۂ اعلیٰ فارسی رسیدہ (بلکہ از و بہتر گردیدہ) (۴) اس سے بڑھ کر کوئی اور مستند شہادت نہیں ہو سکتی۔ (۵) گارساں دتاسی نے اُردو زبان کے حوالے سے کہا تھا کہ ہندوستان کی بولیوں میں ہندوستانی (اُردو) سب سے زیادہ وسیع البیان اور لچک دار زبان ہے اور اس کا جاننا سب سے زیادہ سود مند ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں عموماً یہی زبان استعمال ہوتی ہے۔ شمالی ہند اور شمالی علاقے کی عدالتوں اور دفتروں میں جب سے فارسی کی جگہ اُردو استعمال ہونے لگی ہے اس نے اور زیادہ اہمیت اختیار کر لی ہے۔ (۶)

گارسیں دتاسی نے اُردو کے رسم الخط کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہیں کہ آج جو لوگ اُردو رسم الخط کو مشکل بتا کر اسے آسان بنانے یا رومن اور دیوناگری میں اسے منتقل کرنے کی سفارش کرتے ہیں۔ انہیں یہ جاننا چاہیے کہ یہ بحث نئی نہیں ہے بلکہ اُردو کے مقابلے میں ہندی کو لانے کے لیے اس بحث کا آغاز بہت پہلے ہو چکا تھا۔ (۷) فرمان صاحب نے اس حوالے سے گارسیں دتاسی کی یہ رائے بطور اقتباس درج کی ہے، جو لکھتے ہیں:

> ''گزشتہ کئی برسوں سے ہندوستان میں وہی رجحان پیدا ہو گیا ہے جو یورپ میں قومیت کے نام پر پیدا ہوا تھا۔ ہندوؤں نے اُردو پر حملے شروع کر دیے ہیں۔ اُن کا دعویٰ ہے کہ ملک کی عام زبان اُردو نہیں ہندی ہے لیکن اس حقیقت کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ اُردو ایک دلکش ادبی سرمایہ رکھتی ہے۔ اس کے برعکس ہندی ادبی

حیثیت تقریباً ختم ہو چکی ہے۔ یہ مسئلہ ادبی نوعیت کا ہے جیسے فرانس میں تنگ نظر قوم پرستوں نے صوبائی بولیوں کو از سرِ نو زندہ کرنے کی کوشش میں اُٹھایا تھا، ہندو، فارسی رسم الخط کے مخالف ہیں اور دیوناناگری کو ترجیح دیتے ہیں لیکن ایسا کرنا آنکھ سے اندھے ہو جانے کے مترادف ہے۔ بہر حال مسلمانوں نے بڑی حوصلہ مندی سے اُن کے حملوں کا مقابلہ کیا اور ایسی قوی دلیلیں پیش کیں کہ میرے نقطۂ نظر سے وہ کامیاب رہے۔ یہ اختلاف دراصل نسل و مذہب کے اختلاف سے پیدا ہوا ہے۔''(۸)

مولوی کریم الدین احمد نے بھی اپنے تذکرہ ''طبقات الشعرائے ہند'' میں لسانی امور پر بحث کی ہے کہ جب شاہ تیمور نے دہلی پر قبضہ کیا اور وقت یہ زبان مستحکم اور مضبوط ہوگئی۔ اس اثنا میں ایک بازار لشکر کے درمیان شہر دہلی کے مقرر ہوا۔ اس بازار کا نام تاتاری بولی میں اُردو رکھا گیا۔ معنی اُردو کے معنی اُردو کے مغلوں کی زبان میں لشکر کے ہیں یہ زبان اُردو، زبان ہندی اور مغلوں اور مسلمانوں کی بولی سے مرکب ہو کر مستعمل ہوئی جس کو شعرا زبان ریختہ کہتے ہیں۔(۹) محمد عبدالحیی صفا بدایونی نے بھی اپنے تذکرہ ''شمیم سخن'' میں اُردو زبان کے آغاز وارتقا کے حوالے سے اظہارِ خیال کیا ہے۔ بقول فرمان فتح پوری، محمد حسین آزاد کی طرح تاریخ نظم و زبان کے بارے میں اُن کی رائے ہے کہ اُردو زبان برج بھاشا سے نکلی ہے اور اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اُردو زبان کی تکمیل اور شاعری کا آفتاب دکن سے چمکا، اس سلسلے میں مصنف نے بیاسی صفحے کا تفصیلی مقدمہ لکھا ہے۔ تذکرہ ''گل عجائب'' ۱۷۸۷ء میں لکھا گیا۔ اس کے مولف اسد علی خاں تمنا اورنگ آبادی ہیں۔ ''گل عجائب کو بابائے اُردو مولوی عبدالحق نے مرتب کیا اور ایک مختصر مگر جامع مقدمہ لکھا۔(۱۰) مولوی صاحب نے مقدمہ میں اورنگ آباد اُردو زبان کی اثر پذیری کے تاریخی تناظر میں لکھا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر کی ایک عمر دکن میں بسر ہوئی۔ عالمِ شہزادگی میں بھی، شہنشاہ ہونے کے بعد بھی اس کا مستقر اورنگ آباد خجستہ بنیاد تھا اور کئی لاکھ فوج اس کے ساتھ تھی، وہیں مقیم تھی۔ یہ شمالی ہند کا لشکر اپنے ساتھ اپنی زبان بھی لایا تھا۔ اس دور میں اورنگ آباد کی تقریباً پوری آبادی شمالی ہند کی آبادی تھی اور سارا ڈھنگ دِلّی کا سا نظر آتا تھا۔ چنانچہ اُس زمانے کی زبان کی صاف شہادت دے رہی ہے۔ سراج کے کلام کا مقابلہ آبرو، حاتم، ناجی وغیرہ سے کیجیے۔ معلوم ہوتا ہے ایک ہی مقام کے شاعر ہیں۔ یہ سلسلہ آصف جاہ اول تک برابر جاری رہا جب وہ دِلّی سے اورنگ آباد آئے تو دِلّی کی آبادی کا منتخب حصہ ان کے ساتھ یہیں آکر متوطن ہو گیا۔ اس زمانے تک شمالی ہند کی زبان کا اثر اورنگ آباد میں پوری طور پر باقی رہا۔ اس کے بعد جب اورنگ آباد کی بجائے حیدرآباد پایۂ تختِ آصفی قرار پایا اور اُن نو واردوں کی اولاد کا دور آیا ترکِ مقام تغیرِ حالات و ماحول اور مرورِ زمانہ سے زبان میں بھی فرق آ گیا۔(۱۱) مولوی عبدالحق نے اپنے مقدمہ میں یہ تمہید اس لیے باندھی تا کہ وہ ''گل عجائب'' میں اُردو زبان، قواعد، محاورہ و روزمرہ اور لب ولہجہ کے ذکر کی جانب توجہ دلا سکیں۔ یہ طے ہے کہ فارسی شاعری میں اپنی نمایاں شناخت رکھنے والے شعرا جب اُردو (ریختہ) میں شعر کہنے لگے تو یہ دراصل اُردو زبان کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کا نتیجہ ہے۔

مرزا علی لطف خاں لطف کے تذکرہ ''گلشنِ ہند'' میں بھی کچھ لسانی بحثیں ملتی ہیں۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اسے 'قدیم نثر کا ایک قیمتی سرمایہ قرار دیا ہے۔''(۱۲) جب کہ مولوی عبدالحق رقم طراز ہیں کہ اس کے ذریعے محقق علم اللسان کو اور ان لوگوں کو جنھیں زبان کا چسکا ہے۔ بہت کچھ نئی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ مثلاً دکن کی زبان میں بعض الفاظ روزمرہ بول چال میں آتے ہیں اور ہندوستانیوں کو اجنبی معلوم ہوتے ہیں وہ درحقیقت پرانی زبان کی یادگار ہیں مثلاً ''کر کے'' کا خاص استعمال جو روز سننے میں آتا ہے اس تذکرے میں پایا جاتا ہے۔(۱۳) لطف کے

تذکرہ ''گلشنِ ہند'' کو اُردو زبان میں لکھا گیا اُردو کا پہلا تذکرہ خیال کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی رائے اس کے برعکس ہے۔ وہ سید حیدر بخش حیدری کے ''تذکرۂ حیدری'' کو اس ضمن میں اولین تذکرہ سمجھتے ہیں۔ جس کا دوسرا نام ''گلشنِ ہند'' بھی ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف رقم طراز ہیں کہ شعرائے اُردو کا یہ پہلا تذکرہ ہے۔ جو فارسی کے بجائے اُردو میں لکھا گیا ہے۔ عجیب اتفاق ہے کہ اس تذکرے کا نام بھی ''گلشنِ ہند'' ہے۔ اسی نام کا ایک تذکرہ مرزا علی لطف نے ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۱ء میں مکمل کیا تھا اور اسی کو اب تک اُردو زبان میں شعرائے اُردو کا پہلا تذکرہ خیال کیا جاتا تھا۔ مرزا علی لطف کا تذکرہ دراصل گلزارِ ابراہیم کا ترجمہ ہے اگرچہ انہوں نے اپنی طرف سے اُردو زبان میں شعرائے ریختہ کا پہلا تذکرہ ''گلشنِ ہند'' مؤلفہ مرزا علی لطف نہیں بلکہ ''گلشنِ ہند'' مؤلفہ حیدری قرار پاتا ہے۔ (۱۴) مرزا علی لطف نے عظیم آباد کے ایک شاعر کے حال میں بعض افعال کے حوالے سے لکھا ہے کہ شورش تخلص متوطن عظیم آباد کے مشہور میر تھے۔ فعل کے بعض استعمال بھی بعض وقت بالکل ایسے ہیں جو حیدر آباد میں اکثر سنتے ہیں مثلاً فعل متعدی میں فعل بلحاظ مفعول کے آتا ہے مگر اس کتاب میں بعض جگہ فاعل کے لحاظ سے آیا ہے، دکن میں عموماً اسی طرح بولتے ہیں۔ (۱۵) مرزا قادر بخش صابر دہلوی کا تذکرہ ''گلستانِ سخن'' اس اعتبار سے اہم ترین ہے کہ اس میں زبان و بیان کے اساسی محرکات پر روشنی ڈالی گئی۔ اُردو سمیت بعض دوسری زبانوں کے حروفِ تہجی کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ زبان دانانِ عرب بنائے کلام کو اٹھائیس حرف پر رکھتے ہیں۔ اگر ہمزہ کو الف سے ممتاز نہ کریں والاّ انتیس پر، اور شیریں کلامانِ فارسی چوبیس اور کج مج زبانانِ ہند تئیس پر۔ (۱۶) یہاں انھوں نے عربی اور فارسی کے حروف پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس زبان میں حروف بست و ہشت گانہ سے بارہ حروف مستعمل نہیں اور وہ یہ ہیں۔ ثالے مثلثہ اور حاوصاد اور طا اور عین مہملات اور خا اور ذال اور ضاد اور ظا اور غین معجمات اور فا اور قاف، بجائے ثاے مثلثہ اور صاد مہملہ کے سین اور بجائے حائے حطی کے ہائے ہوز، اور بجائے طا کے تاے فوقانی اور بجائے ذال اور ضاد اور ظاے معجمہ کے زاے معجمہ اور بجائے عین مہملہ کے الف، اور خا، کے کھ یعنی کاف مخلوط الہا، اور بجائے فا، کے پھ یعنی باے فارسی ان حروف بست و ہشت گانہ سے بعد حذف بارہ حروف کے سولہ باقی رہے؛ یہ سب عربی و فارسی اور ہندی میں مشترک ہیں اور پے اور چے اور ژے اور گاف کو کہ اُن کو حروف تازی کے مقابل فارسی کہتے ہیں، یہ بھی استعمال کرتے ہیں لیکن تین حروف اس زبان میں زیادہ ہیں، یہ بھی استعمال کرتے ہیں۔ ٹے اور ڈال اور ڑا، اُن کو بہ سبب ثقل زائد کے مثقلہ ہندی کہتے ہیں پس مجموع تیئیس حرف ہوتے ہیں۔ (۱۷) آگے چل کر صابر دہلوی نے بعض الفاظ کے معانی پر بات کی۔ بعد ازاں اس بات پر توجہ دی گئی ہے ابتدا میں صرف ایک زبان تھی اور اس سے دوسری زبانیں جنم لیتی رہیں۔ مرزا قادر بخش صابر دہلوی نے لسانیات کے ذیل میں اپنے مقدمہ کے تین مقاصد کی پہلے ہی نشان دہی کر دی ہے۔ مقدمہ کا عنوان ہے۔ زبان کے معنی اور اس امر کی تحقیق میں کہ آغازِ آفرینش میں زبان ایک تھی یا متعدد؟ اور اگر ایک تھی تو اوّل کون سی زبان موجود ہوئی؟ اور پھر کس طرح سے مختلف زبانیں بہم پہنچیں؟ (۱۸) مقاصد یہ ہیں اور ان کی تفصیل یہ ہے:

مقصد پہلا: زبان اُردو کی تحقیق اور وجوہِ استعمال، الفاظ فصیح اور ترکِ کلماتِ غیر فصیح۔

مقصد دوسرا: حدِ شعر اور موجدِ اشعار اور عروض و قافیہ کے بعض قواعد کا ذکر بہ طریقِ اجمال۔

مقصد تیسرا: ذکرِ اقسامِ نظم اور ہر ایک کی تعریف پہلے مقصد کی وضاحت اوپر کر دی گئی ہے۔

دوسرے مقصد کے تحت صابر دہلوی نے شاعری کی حدود، شعرا کا ذکر، عروض و قافیہ اور ردیف کے بارے میں بتایا ہے۔ جب کہ تیسرے مقصد کے تحت، فرد، غزل قصیدہ، نسیب، قطعہ، مثنوی، مسمط، ترجیع بند اور مستزاد پر روشنی ڈالی ہے۔ مقدمہ کے ایک حصہ میں مؤلف نے

بتایا ہے کہ ہندوستان میں اسلام کی آمد کے بعد عربی الفاظ مقامی زبان ہندی میں ملنا شروع ہو گئے۔عربی کے علاوہ فارسی زبان بولنے والے مسلمان حکمرانوں کے اثر ورسوخ کے باعث ہندی اپنی اصل سے دور جا پڑی اور اس میں دوسری زبانوں کے الفاظ شامل ہوتے گئے، رفتہ رفتہ یہ زبان تازہ کہ مجموعہ الفاظ ہندی ولغات السنہ مختلف سے بہم پہنچی تھی، زبان اُردو کے اسم سے زبان کا نام خود اُردو ہو گیا۔ (۱۸) اس ضمن میں صابر دہلوی کی ایک اور رائے دیکھیے، وہ لکھتے ہیں کہ ارباب دانش پر مخفی نہیں ہے کہ زبان اُردو کا رواج مصاحت پیشگانِ پایۂ تخت شاہی سے آغاز ہوا تھا اور انہیں نونہالانِ چمن زار کمال کا جہد اس حدیقہ سیراب کا چمن طراز، ہمیشہ اس گل زمیں میں تصرف مالکانہ کو کام کرتے رہے۔اور اس ایوانِ رفیع کی مرمت وآرائش میں اہتمام۔رفتہ رفتہ اس کے حسن و بہانے کمال پایا اور اس زیب وزینت نے ایک جمال بہم پہنچایا۔روز بہ روز ترقی جلوہ گر رہی اور ہر بار اس دولت روز افزوں میں پہنچایا۔زیادتی متصور، جو کہ گر سنہ چشمانِ دور دست زلہ ربائے محض اور گدائے صرف تھے اور موائد حضرت سلطانی کے نم چش اور اس دست پخت کے مالک، وہ فقط ریزہ چند متصرف اور یہ ہر طرح کے تصرف کی راہ میں سالک، آخر کار اُن کی سعی نے یہ رنگ دکھایا اور اُن کا نہالِ جہد یہ ثمر لایا۔ (۱۹) اُردو کے ارتقائی عمل کے حوالے سے مرزا صابر دہلوی نے حافظ عبدالرحمٰن احسان، شاہ نصیر، میر نظام الدین ممنون، شیخ محمد ابراہیم ذوق، مرزا اسداللہ خاں غالب، محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ، محمد ضیاء الدین نیر، امام بخش صہبائی اور مولوی عبدالکریم کو اُردو کی خدمت کے ذیل میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

''دستور الفصاحت'' کے مقدمہ میں احد علی یکتا نے بعض لسانی امور پر اپنا نقطۂ نظر قلم بند کیا ہے۔مولانا امتیاز علی خاں عرشی اس بات پر مشوش تھے کہ اُردو کے قواعدِ صرف ونحو کی طرف سے عرصے تک غفلت برتی گئی تاہم وہ اس امر پر مسرت کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ ''دریائے لطافت'' (۲۰) (انشا اللہ خاں انشا) کی صورت میں پہلی بار مربوط انداز میں اس موضوع پر اظہارِ خیال کیا گیا۔بعد ازاں ''دستور الفصاحت'' میں احد علی یکتا نے اُردو زبان کی پیدائش، ترقی اور حلقہ اثر سے بحث کی ہے۔اس کے بعد چند ابواب اور ذیلی فصلیں قائم کر کے، صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع، عروض اور قافیے کے قواعد وضوابط بیان کیے ہیں۔'' (۲۱) احد علی یکتا نے اپنے مقدمہ میں اُردو کے آغاز کے بارے میں لکھا ہے کہ ''اُردو عبارت است از زبانی کہ بعد اختلاط وارتباط الفاظ پنجابی ومیواتی و برج، کہ زبان اضلاع قرب و جوار دار الخلافۂ شاہجہان آباد است، باکلمات فارسی وعربی و دیگر زبانہا، از کسر و انکسار ثقالت وسخافت اصلیٔ ہر لغت با صلاح صحبت ہمدیگر، مثل کیفیت متوسطہ، باعتقاد اطبا در مرکبات از معاجین وغیرہ حادث میگردد، پیدا شدہ سائر عیوب جمع زبانہای مزوجہ گردیدہ است، و بمرتبہ حسن ولطافت دراں یافتہ می شود کہ از روی متانت ووسعت ولطافت وفصاحت پہلو بعربی میزند، بکمال (وجہ) صفا وعذوبت بر فارسی تفوق می جوید۔'' (۲۲) اس عبارت کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ احد علی یکتا اُردو زبان (جو ایک مخلوط زبان ہے) کے نشو ونما پانے کے اسباب وعلل پر کس قدر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔وہ اس امر کی جانب توجہ دلاتے ہیں کہ اس میں کون کون سی غیر زبانوں کے الفاظ شامل ہیں اور اس کی تیزی سے مقبولیت کی اساس کیا ہے؟ یکتا نے اُردو کے متروک الفاظ، اور گرامر کے بعض اصولوں پر بھی بحث کی۔

''آبِ حیات'' کے متن کا آغاز ہی اس عنوان سے ہوتا ہے۔''زبانِ اُردو کی تاریخ'' اس عنوان کے تحت مولانا محمد حسین آزاد رقم طراز ہیں کہ ہر شخص جانتا ہے کہ ہماری زبان اُردو، برج بھاشا سے نکلی ہے اور برج بھاشا خاص ہندوستانی زبان ہے لیکن وہ ایسی زبان نہیں کہ دنیا کے پردے پر ہندوستان کے ساتھ آئی ہو۔اس کی عمر آٹھ سو برس سے زیادہ نہیں ہے اور برج کا سبزہ زار اس کا وطن ہے۔ (۲۳)

آگے چل کر آزاد نے ہندوستان پر بیرونی یلغار اور اس کے اثرات کا جائزہ لیا ہے۔آزاد کہتے ہیں کہ ہندستان کی مقامی زبان

دوسری زبانوں کے اثرات قبول کرتی رہی وہ کہتے ہیں کہ امیر خسرو کی ایک غزل اور پہیلیاں اور مکرنیاں اور گیت پتا بتاتے ہیں کہ ۱۰۰۷ء میں یہاں کے مسلمان خاصی بھاشا بولتے ہوں گے بلکہ یہی کلام یہ بھی خبر دیتے ہیں کہ مسلمان بھی اب یہیں کی زبان کو اپنی زبان سمجھنے لگے تھے اور اس زبان کو کس شوق اور صحت سے بولتے تھے، شاید بہ نسبت ہندوؤں کے فارسی عربی لفظ اُن کی زبان پر زیادہ آجاتے ہوں گے اور جتنا یہاں رہنا سہنا اور استقلال زیادہ ہوتا گیا۔ اتنا ہی روز بروز فارسی، ترکی، نے ضعف اور یہاں کی زبان نے زور پکڑا۔ اہلِ سیف، اہلِ قلم، اہلِ حرفہ اور تجار وغیرہ ملک ملک اور شہر شہر کے آدمی ایک جگہ جمع ہوئے۔ 'ترکی' میں اُردو، بازار لشکر کو کہتے ہیں اُردوئے شاہی اور دربار میں ملے جلے الفاظ زیادہ بولتے تھے۔ وہاں کی بولی کا نام اُردو ہو گیا۔ (۲۴)

آزاد مزید لکھتے ہیں کہ جو کچھ اس میں ہوا کسی تحریک یا ارادے سے نہیں ہوا بلکہ زبانِ مذکورہ کی طبیعت ایسی ملنسار واقع ہوئی ہے کہ ہر زبان سے مل جل جاتی ہے۔ سنسکرت آئی، اس سے مل گئی، عربی، فارسی آئی اسے بسم اللہ، خیر مقدم کیا۔ اب انگریزی الفاظ کو اس طرح جگہ دے رہی ہے گویا اس کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ اسی زبان کو ریختہ بھی کہتے ہیں، اسے فقط شاہجہان کا اقبال کہنا چاہیے کہ یہ زبان خاص و عام میں اس کے اُردو کی طرف منسوب ہوگئی۔ ورنہ جو نظم و نثر کی مثالیں بیان ہوئیں۔ (۲۵) ان سے خیال کو وسعت دے کر کہہ سکتے ہیں کہ جس وقت سے مسلمانوں کا قدم اس ہندوستان میں آیا ہوگا۔ اسی وقت سے ان کی زبان نے یہاں کی زبان پر اثر شروع کر دیا ہوگا۔ آزاد کے اس لسانی نظریہ کے حوالے سے ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں کہ آج یہ بات ہمارے لیے قابلِ قبول نہ سہی کہ اُردو برج بھاشا سے نکلی ہے لیکن یہ کیا کم ہے کہ اُردو کے مآخذ اور پیدائش کے بارے میں آزاد نے غور و فکر کی دعوت دی اور اس دعوت کے نتیجے میں اس موضوع پر اُردو میں لسانیات سے متعلق ایک قابلِ قدر ذخیرہ جمع ہو گیا۔ گویا اُردو میں لسانیات کی بحثوں کے لیے سب سے پہلے آزادی (آزاد ہی؟) نے راستہ ہموار کیا ہے۔ اس لیے اُردو کی لسانی تاریخ میں ان کی تحریریں، خواہ آج وہ کتنی ہی غلط کیوں نہ ثابت کر دی جائیں، نظر انداز نہیں کی جا سکتیں۔ (۲۶) محمد حسین آزاد اس امر پر خوش دکھائی دیتے ہیں کہ اُردو زبان ترقی کر رہی ہے۔ لکھتے ہیں کہ اُردو اس قدر جلد جلد رنگ بدل رہی ہے کہ ایک مصنف اگر خود اپنی ایک سن کی تصنیف کو دوسرے سن کی تصنیف سے مقابلہ کرے تو زبان میں فرق پائے گا۔ باوجود اس کے اب تک بھی اس قابل نہیں کہ ہر قسم کے مضمون خاطر خواہ ادا کر سکے۔ یا ہر علم کی کتاب کو بھی بے تکلف ترجمہ کر دے۔۔۔ البتہ اب اُمید کر سکتے ہیں کہ شاید یہ بھی ایک دن علمی زبانوں کے سلسلے میں کوئی درجہ پائے۔ (۲۷)

حافظ محمود شیرانی، مولانا محمد حسین آزاد کی اس رائے سے اختلاف کرتے ہیں کہ اُردو زبان شاہجہان کے اُردو کی طرف منسوب ہے۔ شیرانی لکھتے کہ شاہجہانی عہد میں اُردو پر زبان کے معنی کا اطلاق نہیں ہو رہا۔ ہمارے بزرگوں کے اذہان میں یہ تخیل نہایت خوش آئندہ معلوم ہوتا ہے کہ نئے شہر کی تعمیر کے ساتھ ساتھ نئی زبان کی ترویج بھی عمل میں آئی ہو حالانکہ زبان کی نسبت شہر کے ساتھ ہے نہ، شاہجہاں کے ساتھ۔ جب تک شہر کا نام دہلی تھا، وہاں ''زبان دہلی'' کہلائی جب اس کا نام شاہجہان آباد رکھا گیا، زبان کا نام بھی شہر کی نسبت سے قدرتاً زبان شاہجہان آباد ہو گیا۔ (۲۸) حافظ محمود شیرانی تو اُردو کو بازارِ لشکر کہنے کے حق میں بھی نہیں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ مولانا، سرسید اور میر امن کی تقلید میں ایسا فرما رہے ہیں لیکن زبان کے تعلق میں اُردو بمعنی لشکر زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

زبان کے معنوں میں اُردو کا سب سے قدیم استعمال سراج الدین علی خاں آرزو متوفی ۱۱۶۹ھ کے ہاں ملتا ہے۔ اپنے موقف کی دلیل میں حافظ شیرانی نے آرزو کی آراء بھی نقل کی ہیں۔ آرزو کا کہنا ہے کہ:

''راجواڑہ، بدیں معنی اصطلاح شاہجہاں آباد است بلکہ اہلِ اُردو است کہ این قسم اماکن اکثر در لشکر راجہامی باشند۔ (۲۹)

''لیکن گزک باصطلاح اہلِ اُردو نوعی است از شیرینی کہ از کنجد و شکر سازند۔'' (۳۰)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''نکتورہ در عرف اُردو وغیرہ بمعنی ناز و غرور است۔''

ان تین مثالوں کے تناظر میں حافظ محمود شیرانی کا موقف یہ ہے کہ اصطلاح شاہجہان آباد، اصطلاح اہلِ اُردو، عرف اُردو، زبان اُردو، اہلِ شہر سے مراد یہی زبان ہے۔'' (۳۱)

یہاں حافظ صاحب نے میر تقی میر کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ زبان اُردوئے معلیٰ شاہجہان آباد دہلی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ (۳۲)

اُردو تذکروں میں لسانی بحثوں کا مفصل جائزہ لینے کے لیے دفتر درکار ہیں۔ علم و ادب کے کسی بھی زاویے سے ان تذکروں کا مطالعہ کرنے سے تشنگی کا احساس نہیں ہوتا۔ اُردو زبان کی اِبتدا، مولد و منشا، ارتقائی صورتوں اور عربی، فارسی، ہندی، ترکی اور انگریزی زبانوں کے اثرات کے ذیل میں یہ تذکرے غور و تفحص کی دعوت دیتے ہیں۔

اُردو زبان کے حوالے سے جتنی بحثیں بیسویں اور موجودہ صدی میں ہو رہی ہیں۔ ان کے اِبتدائی نقوش بھی ان تذکروں میں ملتے ہیں۔ ہر تذکرہ نگار کا مزاج و منہاج مختلف ہے مگر حیرت ہوتی ہے کہ اُردو زبان کو کم و بیش ہر ایک نیا پنی توجہ کا مرکز بنایا اور مطلوبہ نتائج مرتب کرنے کی کوششیں کیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ قائم چاند پوری، کلیاتِ قائم، مرتبہ: ڈاکٹر اقتدا حسن، لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۶۵ء، ص ۲۱۵

۲۔ قائم چاند پوری، تذکرہ مخزن نکات، مرتبہ: ڈاکٹر اقتدا حسن، لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۶۶ء، ص ۳۳

۳۔ ایضاً، ص ۹

۴۔ مصحفی، غلام ہمدانی، تذکرۂ ہندی، اورنگ آباد دکن: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۳۳ء، ص ۲۴۸

۵۔ عبدالحق، مولوی، مقدمہ، تذکرۂ ہندی، ص ح

۶۔ گارسیں دتاسی، بحوالہ: اُردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، مؤلفہ: ڈاکٹر فرمان فتح پوری، لاہور مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۷۲ء، ص ۳۰۶

۷۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اُردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص ۳۰۶

۸۔ گارسیں دتاسی، بحوالہ: اُردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص ۷۔۳۰۶

۹۔ کریم الدین احمد، مولوی، بحوالہ: اُردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص

۱۰۔ صفا بدایونی، محمد عبدالحئی، تذکرہ شمیم سخن، بحوالہ: اُردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص ۸۸۔۴۸۷

۱۱۔ عبدالحق، مولوی (مقدمہ) گلِ عجائب، مصنفہ: اسدعلی خاں تمنا اورنگ آبادی، اورنگ آباد دکن: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۳۶ء، ص و، ز

۱۲۔ اُردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص ۲۱۱

۱۳۔ عبدالحق، مولوی، مقدمہ: تذکرۂ گلشنِ ہند، مولفہ: مرزا علی لطف، لاہور: دارالاشاعت پنجاب، ۱۹۰۶ء، ص ۱۲۔۲۱۱

۱۴۔ اُردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص ۲۳۔۲۲۲

۱۵۔ لطف، مرزا علی، تذکرۂ گلشنِ ہند، ص ۱۶۴

۱۶۔ صابر دہلوی، مرزا قادر بخش، تذکرۂ گلشنِ سخن، مرتبہ: خلیل الرحمٰن داؤدی، لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۶۶ء، ص ۳۵۔۳۴

۱۷۔ ایضاً، ص ۴۲

۱۸۔ ایضاً، ص ۳۱

۱۹۔ ایضاً، ص ۳۰

۲۰۔ دریائے لطافت:

دریائے لطافت کے مقدمہ میں مولوی عبدالحق رقم طراز ہیں کہ سید انشا پہلے شخص ہیں کہ جنہوں نے عربی، فارسی زبان کے تتبع چھوڑ کر اُردو زبان کی ہیئت واصلیت پر غور کیا اور اس کے قواعد وضع کیے اور جہاں کہیں تتبع کیا بھی ہے تو وہاں بھی زبان کی حیثیت کو نہیں بھولے علاوہ اس کے الفاظ ومحاورات کی تحقیق، بیگمات کی زبان اور اُن کے محاورات، مختلف الفاظ کے تلفظ،

مختلف فرقوں کے میل جول سے زبان پر جو اثر پڑا۔ ان سب کو بڑے لطف سے ادا کیا ہے بعض بعض نکات ایسے بیان کیے ہیں جن کی قدر وہی کر سکتے ہیں جنہیں زبان کا ذوق ہے۔ (عبدالحق مولوی، مقدمہ: دریائے لطافت) اُردو ترجمہ: عبدالرؤف عروج، کراچی: آفتاب اکیڈمی، ۱۹۶۲ء، ص ۱۲

۲۱۔ عرشی، امتیاز علی، دیباچہ: دستور الفصاحت، مولفہ: احد علی یکتا، رام پور: ہندوستان پریس، ۱۹۴۳ء، ص ۳

۲۲۔ یکتا، احد علی، دستور الفصاحت، ص ۴

۲۳۔ آزاد، محمد حسین، آبِ حیات، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص ۱۰

''یاد رہے کہ مولانا محمد حسین آزاد کے تذکرہ ''آبِ حیات'' کی اشاعت سے کم و بیش آٹھ سال پہلے محمد عبدالحئ صفا بدایونی اپنے تذکرہ ''شمیم سخن'' (مرقومہ ۱۹۷۲ء) میں یہ بات پہلے ہی لکھ چکے تھے کہ اُردو زبان برج بھاشا سے نکلی ہے۔
(فرمان فتح پوری، اُردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص ۸۸۔۴۸۷)

۲۴۔ آبِ حیات، ص ۲۵

۲۵۔ مولانا محمد حسین آزاد نے اپنی اس رائے سے قدیم ادب سے جو مثالیں نقل کی ہیں۔ یہاں ان کا اندراج دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ آزاد کے موقف کو ان مثالوں کے مطالعہ کے بغیر شاید درست طور پر نہ سمجھا جا سکے:

دین گو ایونی سے دُنی نہ آئیو ہاتھ پیر کہاڑی ماریو گا پھل اپنے ہاتھ

کبیر سر پر سرائے ہے کیوں سوئے سکھ چین کوچ نگارا سانس کا باجت ہے ، دن رین

سانس ماس سب جیو تمہارا تو ہے کھرا پیارا

نانک شاعر ایو کہت ہے سچے پروردگارا (گورونانک)

وارن جاؤں ، ان ایک بار

تو سدا سلامت جی نرنکار (گورونانک)

زحال مسکین مکن تفافل درا ے نیناں بنائے بتیاں

بیا برادر آؤ رے بھائی بنشیں مادر بیٹھ ری مائی

(خسرو)

لودھ پھٹکری مردہ سنگ ہلدی زیرہ ایک ایک ٹنگ

افیون چنا بھر مرچیں چار اُرد برابر تھوتھا ڈار
پوست کے پانی پوٹلی کر کے تروت پٹیر نینوں کی ہرے

''پھٹ پاپی رومی خاں نمک حرام''
''سب کو تعجب ہوا اور ہمایوں نے کہا''
''رومی خاں چکنم کہ جانور است ورنہ زبانش می بریدم''
اس نے شرما کر آنکھیں نیچی کر لیں۔ (کبیر)

سنکارے سیوک سکل چلے سوامی رکھ پائے
گھر تروتر دبن و باد دبرڈیرادیوا لگائے

گھر بسواس بچن ہٹ بولے
کتنی بھنگ کلہ بھی کھولے

رام انیک گریب نواجے
لوگ بید بربرو براجے

گنی گریب گرام نو ناگر
پنڈت موٹے ملیں اوجاگر

مایا کو مایا ملے کر کر لمبے ہاتھ
تلسی داس گریب کو کوئی نہ پوچھے بات (تلسی داس)

مایا دھام دھن دنتا
باندھیوں ہوں اس ساج (یعنی ساز)
سَنت سبھی جانت ہوں
تو نہ آئیو باج (یعنی باز نہ باز آیا)

کھیت بہت کا ہے تم تانے
سبن سنی آواج (یعنی آواز)
دیو نہ جات پات پار اُتر آئے
چاہٹ چڑھیں جہاج (یعنی جہاز)
تیئں کرت کہت پر بھوں تم سوں
سد غریب نواج (غریب نواز)

(آبِ حیات، ص۲۰۔۱۷)

۲۶۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اُردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص۲۱۴

۲۷۔ آبِ حیات، ص۲۶

۲۸۔ محمود شیرانی، حافظ، تنقید بر آبِ حیات، مشمولہ: مقالاتِ حافظ محمود شیرانی (جلد سوم)، مرتبہ: مظہر محمود شیرانی، لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۶۹ء، ص۴۹

۲۹۔ آرزو، سراج الدین علی خاں، نوادر اللفاظ، مرتبہ: ڈاکٹر سید عبداللہ، ۱۹۵۱ء، ص۲۶۱
نوادر اللفاظ میں آرزو نے ''اہلِ ارد واست'' کے بجائے ''اہلِ اُردوست'' لکھا ہے۔

۳۰۔ ایضاً، ص۴۹

۳۱۔ ایضاً، ص۵۰، (آرزو نے بجائے نکتورہ، ''نکھتورہ'' اور ''نکھتوڑا'' لکھا ہے۔

۳۲۔ مقالاتِ محمود شیرانی (جلد سوم)، ص۵۰

۳۳۔ ایضاً، ص۵۰

میر تقی میر نے اپنے تذکرہ ''نکات الشعرا'' میں لکھا ہے:

''در فن ریختہ کہ شعر یست بطور شعرِ فارسی بزبانِ اُردوئے معلّٰی شاہ جہان آباد دہلی، کتابے تا حال تصنیف نشدہ کہ احوال شاعران این فن بصفحہ روزگار بماند، بناء علیہ ایں تذکرہ کے مسمی بہ نکات الشعرا است نگاشتہ می شود۔''

(پیش لفظ! تذکرہ نکات الشعرا، مرتبہ: مولوی عبدالحق، اورنگ آباد: انجمن ترقیٔ اُردو، طبع ثانی، ۱۹۳۵ء، ص۰۱